رسائل ومسائل

تعلیمِ قرآن اور خدماتِ دینیہ پر اُجرت کا جواز و عدم جواز

(۲)

ملک غلام علی

سوال:- جون کے ترجمان القرآن میں تعلیم قرآن پر معاوضہ لینے کے جواز میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے تسلی نہیں ہوئی۔ آپ نے لکھا ہے کہ متاخرین حنفیہ کا اس کے جواز پر اتفاق ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ متاخرین کہاں سے شروع ہوتے ہیں اور متقدمین کہاں ختم ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے ائمہ سلف کے حوالے سے بھی یہی بات لکھ دی ہے کہ سب اجرت کے جواز کے قائل ہیں۔ سلف اور متقدمین کا مفہوم و مطلب آپ کے نزدیک کیا ہے۔

میرے پیش نظر اس وقت احکام القرآن، جصاص ہے۔ اس کے جز ثانی صہ ۵۲۶ طبع مصری، باب الرشوہ میں فرماتے ہیں:

ھٰذا دلیل ان کل ما کان مفعولاً علی وجہ الفرض والقربۃ الی اللہ انہ لا یجوز اخذ الاجرۃ علیہ کالحج وتعلیم القرآن والاسلام ......

(اس سے دلیل ملتی ہے کہ جو کام فرض ہو یا جس سے مقصود تقرب الٰہی کا حصول ہو، اس پر اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً حج اور قرآن و اسلام کی تعلیم وغیرہ)۔

آپ واضح کریں کہ احکام القرآن کے مصنف متقدمین میں سے ہیں یا متاخرین میں سے اور دوسروں کے مقابلے میں ان کا اور ان کی رائے کا کیا درجہ و مقام ہے؟

آپ نے امام ابوحنیفہ کی رائے کے مقابلے میں صرف شامی کا ایک حوالہ دیا ہے جو امام صاحب کے قول پر بھاری نہیں ہوسکتا۔ دوسرا آپ کا استدلال دوسرے رنگ میں ہے جس میں حنفی مسلک

کی روشنی میں بحث نہیں کی گئی۔ لیکن اس سے اس سوال کا جواب نہیں مل سکتا کہ اس خاص معاملے میں حنفیہ کا فتویٰ کیا ہے جس کے مطابق عمل ہونا چاہیے۔ اس لحاظ سے اس کی دوبارہ وضاحت ضروری ہے۔

جواب :- مجھے بھی یہ معلوم ہے کہ علامہ ابوبکر الجصاص اور ان کے پیشرو اور متقدم احناف کا فتویٰ یہی تھا کہ تعلیم قرآن کی اجرت جائز نہیں۔ الجصاص کا سن وفات ۳۷۰ھ ہے۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، اسی دور یعنی چوتھی صدی کے اواخر میں بعض فقہائے حنفیہ نے فتوے میں تبدیلی کرتے ہوئے پہلے ائمہ سے مختلف رائے ظاہر فرمائی ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں حافظ ابواللیث سمرقندی کا قول یوں درج ہے:

قال کنت افتی ان لا یحل للمعلم اخذ الاجرة علی تعلیم القرآن ...... فرجعت عن ذٰلک۔

(امام ابواللیث نے فرمایا کہ میں پہلے فتویٰ دیتا تھا کہ معلم کے لیے تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں مگر میں نے اس رائے سے رجوع کر لیا ہے)۔

فقیہ ابواللیث ابوبکر جصاص کے ہم عصر ہیں اور ان کا انتقال ۳۷۳ھ میں ہوا ہے۔ قاضی خان بھی (جن کا پورا نام فخر الدین حسن بن منصور ہے) جواز کے حق میں اپنا فتویٰ دیتے ہیں اور ان کا سنِ وفات ۵۹۲ھ ہے۔ امام برہان الدین المرغینانی صاحب ہدایہ ایک سال بعد ۵۹۳ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہدایہ کتاب الاجارہ میں عدمِ جواز کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

بعض مشائخنا استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القرآن الیوم لانہ ظہر التوانی فی الامور الدینیہ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ

(ہمارے بعض مشائخ نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو استحساناً آج کل جائز قرار دیا ہے کیونکہ اب دینی امور میں سستی اور تساہل پیدا ہو گیا ہے اور اگر تعلیم قرآن پر اجرت کی ممانعت کر دی جائے، تو حفاظت قرآن ناممکن ہو جائے گی اور اسی قول پر فتویٰ ہے)۔

امام اکمل الدین (ف۔ ۷۸۶ھ) ہدایہ کی شرح عنایہ میں اس مقام پر فرماتے ہیں:

انما کرہ المتقدمون ذٰلک لانہ کان للمعلمین من بیت المال عطیات فکانوا مستغنین عما لا بد لھم من امر معاشھم وقد کان فی الناس رغبۃ

فی التعلیم بطریق الحسبۃ ولم یبق ذٰلک۔
(متقدمین نے اجرت لینا اس لیے ناجائز قرار دیا تھا کہ معلّمین کے بیت المال سے وظائف مقرر تھے اور وہ اپنی معاشی ضروریات سے بے نیاز تھے، نیز لوگوں میں یٰللہ فی اللہ تعلیم کی رغبت تھی جواب ناپید ہے)۔
ابوالبرکات النسفی (ف ۷۱۰ھ) کنز الدقائق میں اجارہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
والفتوی الیوم علی جواز الاستیجار لتعلیم القرآن۔
(آج کل تعلیم قرآن پر اجرت کے حق میں جواز کا فتویٰ ہے)۔
کنز الدقائق کی شرح میں امام معین الدین ہروی (ملا مسکین) فرماتے ہیں:
وکذٰلک یفتی الیوم بجواز الاجارۃ علی تعلیم القرآن والفقہ۔ قال مشائخنا یجبر الاب علیٰ دفع الاجر الی الاستاذ وقال الامام ابومحمد خیزاخزی یجوز فی زماننا الامام وللمؤذن وللمعلم اخذ الاجر، کذا فی الذخیرۃ والروضۃ۔
(اسی طرح آج کل قرآن و فقہ کی تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ متعلم کے والد کو مجبور کیا جائے کہ وہ استاد کو تعلیم کا معاوضہ ادا کرے اور امام ابومحمد خیزاخزی نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں امام، مؤذن اور معلّم کے لیے تعلیم دینی پر اجرت حاصل کرنا جائز ہے۔ ذخیرہ اور روضہ میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے)۔
شرح وقایہ میں ہے:
لما وقع الفتور فی الامور الدینیۃ یفتی الیوم بصحتھا لتعلیم القرآن والفقہ تحرزاً عن الاندراس۔
(جب دینی امور میں سستی واقع ہوگئی تو آج کل قرآن و فقہ کی تعلیم پر اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے تاکہ ان علوم کو ضائع ہونے اور مٹنے سے بچایا جاسکے)۔
علامہ محمد علاء الدین الحصکفی (ف ۱۰۸۸ھ) الدر المختار میں فرماتے ہیں:
ویفتی الیوم بصحتھا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان ویجبر

المستاجر علی الدفع ما قیل

(موجودہ حالات میں تعلیم قرآن و فقہ اور امامت و اذان کی اجرت کے جواز کا فتویٰ ہے اور مساجد کو مقرر اجرت ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا)۔

امام ابن عابدین شامی (ف۔ ۱۲۹۲ھ) نے الرد المحتار (شرح الدر المختار) میں اس مقام کی شرح کرتے ہوئے شیخ خیر الدین رملی، امام زیلعی اور دوسرے فقہاء کا یہ متفق علیہ قول نقل کیا ہے۔

لولم یفتح لھم باب التعلیم بالاجرۃ لذھب القرآن فافتوا بجوازہ ورأوہ حسنا۔

(اگر تعلیم قرآن پر اُجرت کو جائز قرار نہ دیا جاتا تو قرآن مجید کی تعلیم مٹ جاتی پس فقہاء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور اسے پسندیدہ قرار دیا)۔

فتاویٰ عالمگیری میں قائلین جواز کی تائید کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

والمختار الفتویٰ فی زماننا قول ھؤلاء

(قابل ترجیح مسلک ہمارے زمانے میں انہی علماء کا ہے جنہوں نے جوازِ اُجرت کا فتویٰ دیا ہے)۔

آپ کے اس سوال کا جواب دینا مشکل ہے کہ متقدمین کہاں ختم ہوتے ہیں اور متاخرین کہاں سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ بالعموم طول بحث سے بچنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور اضافی اصطلاحات کے طور پر مروج ہیں۔ ہر پہلے آنے والا بعد والے کے لیے متقدم ہے اور ہر بعد میں آنے والا پہلے سے متاخر ہے۔ جہاں تک ائمہ فقہاء کا تعلق ہے، ان کے سات طبقات بیان کیے جاتے ہیں۔ پہلا طبقہ ائمہ مجتہدین کا ہے، مثلاً مذاہب فقیہہ کے ائمہ اربعہ یا دوسرے ائمہ سلف جنہوں نے کتاب و سنت سے قواعد و اصول اخذ کیے ہیں اور اجماع یا قیاس کی روشنی میں فروعی احکام کے استنباط کا آغاز فرمایا ہے۔ احناف کے طبقہ ثانیہ کو مجتہدین فی المذہب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جن میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے دوسرے اصحاب و رفقاء شامل ہیں۔ یہ حضرات اصولی قواعد میں تو امام ابوحنیفہؒ کے پیرو ہیں لیکن کتاب و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں یہ اپنے اُستاد کے مقرر کردہ قواعد کے مطابق احکامِ فقیہہ کا خود بھی استخراج کرتے ہیں اور اس میں بعض اوقات ان کا قول امام صاحب سے یا آپس میں مختلف ہوتا ہے۔ تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے اور یہ ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہؒ اور

ان کے شاگردوں کا کوئی فتویٰ موجود نہ ہو۔ امام ابوجعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، قاضی خان وغیرہم کا شمار اسی طبقہ میں ہے۔ یہ صاحبِ مذہب کے طے کردہ اصول و قواعد کی روشنی میں ان مسائل پر رائے دیتے ہیں جو غیر منصوص و غیر منقول ہوں۔ چوتھا طبقہ اصحابِ تخریج کا ہے اور جن میں ابوبکر الجصاص اور ان کے ہم عصر شامل ہیں۔ اس طبقے اور اس کے مابعد طبقات کو عموماً مجتہدین کے بجائے مقلدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن ان کے اقوال و آراء کو بغور دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اگرچہ علی الاطلاق اجتہاد کا دعویٰ نہیں ہے لیکن وہ عمل اجتہاد سے بالکل عاری بھی نہیں ہیں۔ وہ بعض اوقات اپنے اساتذہ کے مجمل اور ذوالوجوہ قول کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور مختلف احتمالات کی توضیح کرتے ہوئے کسی ایک پہلو یا احتمال کو دلائل شرعیہ اور قواعد ائمہ کے زیادہ مطابق قرار دیتے ہیں یا زمانے اور حالات کے تغیر کو سامنے رکھ کر فتوے میں تبدیلی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح پانچواں طبقہ اصحابِ ترجیح کا ہے جن میں ابوالحسن قدوری، برہان الدین مرغینانی (صاحبِ ہدایہ) وغیرہ شامل ہیں۔ یہ حضرات بھی اقوال سابقہ میں سے بعض کو ترک اور بعض کو اختیار کرتے ہیں اور جو مسئلہ عوام الناس کے لیے باعث سہولت ہو اور اس سے اصول ادلیہ کا تصادم بھی نہ ہو، اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ چھٹا طبقہ اصحابِ تمیز کا ہے جو متقدمین کی روایات میں سے قوی و ضعیف اور ظاہر و نادر کا فرق پہچانتے ہیں اور زیادہ مستند اور ثابت اقوال کو چھانٹ کر جمع کرتے ہیں۔ کنز الدقائق، در مختار، وقایہ کے مصنفین کا شمار اسی گروہ میں ہے۔ انھوں نے مردود و ضعیف اقوال ائمہ کو ترک کر کے مشہور اقوال پر انحصار کیا ہے۔ ساتویں اور آخری طبقے میں جو حضرات شامل ہیں ـــــ انہیں بھی جامد اور اندھے بہرے مقلد سمجھنا درست نہیں ہے ـــــ انھوں نے بالعموم مستقل تصانیف نہیں لکھیں لیکن پہلی کتابوں کے متون پر انھوں نے ایسے حواشی اور شروح کا اضافہ کر دیا ہے کہ ان سے پہلی کتابوں کے مسائل آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں اور کوئی طالب علم ان کو نظر انداز کر کے کتب سابقہ سے استفادہ و استنباط نہیں کر سکتا۔

بہرکیف ان بزرگوں کی ہر نسل و قرن اپنے پیشروؤں سے متاخر اور اپنے جانشینوں سے متقدم ہے۔ ان کی کسی ایک صف کے آگے خط کھینچ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے پہلے جو آچکے ہیں وہ متقدمین تھے اور بعد میں آنے والے متاخرین ہیں۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمارے لیے سب متقدم اور سلف صالح کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر دوسرے ائمہ و محدثین جو شروع ہی سے اس مسئلہ میں جواز کے قائل ہیں، وہ بھی ہمارے اسلاف ہی ہیں۔ اس لیے میں نے اگر یہ کہا ہے کہ علمائے سلف کا اس پر قریب قریب اتفاق ہو چکا ہے تو یہ بات غلط نہیں ہے۔ بیں امام ابوبکر الرازی الجصاص کی رائے پر مزید اظہار خیال ضروری و مناسب خیال نہیں کرتا جبکہ میں نے دیگر اصناف کی تحقیق نقل کر دی ہے۔ ✧